بانگِ درا کی نظموں میں اقبال کا شعری میلان اور فکری تنوع

جاوید اقبال جاوید
محمد محسن(ساحل سلہری)

Abstract:

Dr. Allama Muhammad Iqbal is one of the prominent poets of the 20th century.His first poetry collection in Urdu language “Bang-e-Dara” was Published in September 1924.The poems included in this collection like a bellto wake up the sleeping nation. “Iqbal has got eternal fame for “Bang-e-Dara”.A critical review of the poetry of Iqbal's poetry collection "Bang-i-Dara" reveals that the division of the poetry of "Bang-i-Dara" into different parts is actually a reflection of Iqbal's changing and evolving poetic inclinations and intellectual diversity. The titles and themes of the poems in this collection indicate Iqbal's intellectual diversity. For example, attachment to nature, the dominance of patriotism, moral, religious, economic, religious and national feeling poems seem to be covered by the cloak of Iqbal's diverse poetic inclinations and thought. "Bang–e-Dara" poems have given a fresh impetus to the nation of Islam, highlighting the national consciousness with the message of poetry. The philosophy of the poems of "Bang-e-Dara" is actually the philosophy of life. In the poems of "Bang-e-Dara" Iqbal is simultaneously a naturalist, a patriot, a national leader, a reformer of the nation, a satirist and a sage of the nation and a mixture of thought and philosophy.

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا اردو زبان میں پہلا شعری مجموعہ "بانگِ درا" ستمبر 1924ء میں اشاعت پذیر ہوا۔اس مجموعے میں شامل نظمیں گویا سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنے کے لیے گھنٹی کی آواز کا کام کرتی ہیں۔بانگ درا کو اگر معنوی لحاظ سے دیکھیں تو اس کا لفظی معانی بڑی گھنٹی کی آواز ہے۔بانگ درا اس بڑی گھنٹی کا نام ہے جو

قافلے کی روانگی سے قبل سفر کرنے والوں کو خبردار کرنے کے لیے بجائی جاتی ہے۔ یہ گھنٹی قافلے کے ساتھ ساتھ بجتی رہتی ہے تاکہ بھولے بھٹکے مسافروں کی راہ نمائی ہوتی رہے۔پہلے وقتوں میں جب قافلے اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے تو قافلے کے سب سے اگلے اونٹ کی گردن میں ایک بڑی سی گھنٹی باندھ دی جاتیجو سفر کے دوران مسلسل بجتی رہتی۔ جب قافلہ روکنا ہوتا تو سب سے پہلے اس اگلے اونٹ کو روک دیا جاتا جب دوبارہ سفر شروع کیا جاتا تو اسی اگلے اونٹ کو دوبارہ چلایا جاتا تاکہ اس کی آواز سن کر بکھرے، بھولے، بھٹکے اور سوئے ہوئے لوگ اس کی آواز سن کر قافلے کا حصہ بن جائیں۔ اس طرح گھنٹی کی آواز سن کر لوگ جوق در جوق قافلے میں شامل ہو جاتے اور یوں قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں ہو جاتا۔اقبال نے اس مجموعے کی شاعری چوں کہ مسلمانوں کے لیے کی ہے تاکہ مسلمان شعوری اور روحانی طور پر بیدار ہو جائیں۔ "بانگ درا" کی شاعری اپنی منزل سے بھٹک جانے والے مسلمانوں کی راہ نمائی کرتی ہے۔

"بانگ درا" کا دیباچہ اقبال کے بہترین دوست سر شیخ عبد القادر نے تحریر کیا ہے۔ جسے پڑھنا بے حد ضروری ہے۔ یہ دیباچہ "بانگ درا" اور اقبال کے بارے میں شیخ عبد القادر کے وسیع مطالعہ رکھنے کا آئینہ دار ہے۔ اس میں اقبال کے آباؤاجداد، تعلیم، ابتدائی نظموں، ان کی فارسی کی طرف رغبت کی وجہ اور لندن میں عبد القادر کی اقبال سے ہونے والی ملاقاتوں کا تذکرہ شامل ہے۔ "بانگِ درا" کی بدولت اقبال کو لازوال شہرت ملی ہے۔اس میں اقبال کا شعری میلان کئی بار بدلتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور خیالات کی فراوانی بدرجہ اتم موجود ہے۔ "بانگ درا" کی پیامی نظمیں ایک ایسے گلدستے کی طرح ہیں جس میں سینکڑوں رنگارنگ پھولوں کی خوشبو مہک رہی ہے۔ "بانگ درا" دراصل اقبال کی وہ بلند آہنگ آواز ہے جس نے قوم کو خواب غفلت سے جھنجوڑ کر جگانے کی کوشش کی۔ابتدا میں اقبال کو جو شعری سرمایہ میسر آیا اس سے ان کے شعری میلان اور فکر کو معنی خیز وسعتملی اس ضمن میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> "اقبال کو اگرچہ مسلمانوں کی معاشرت کا جو سماں نظر آیا وہ بڑ دردناک تھا ،لیکن جو شعری سرمایہ اس کے ہاتھ آیا وہ بہت وسیع اور معنی خیز تھا۔ اقبال نے اردو کلاسیکی شعری روایت کے تمام علائم و رموز اور تمام اصطلاحات سے استفادہ کیا اور حقائق خارجی کے بیان میں اس تراکیب والفاظ سے کام لیا جو واردات ذاتی کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ مراد یہ کہ اگر اردو کی

شعری کلاسیکی روایت کا تمام سرمایہ اقبال کے تصرف میں نہ ہوتا تو غالباً انھیں ابلاغ واظہار میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک اردو کی شعری روایت کے سرمائے کے تمام رموز اقبال پر روشن نہیں ہوگئے، انھوں نے حقائق خارجی کے بیان کے لیے فارسی کا انتخاب نہیں کیا۔۔۔۔اقبال نے سرسید اور حالی سے بہت استفادہ کیا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اقبال نے سرسید اور حالی کے کام کی تکمیل کر دی۔ بالفاظ دیگر اقبال کی شعری تخلیق کا محرک سرسید کی تحریک کا حالی کا اسلوب فکر واظہار تھا۔"(1)

"بانگِ درا" کی نظموں میں ایک طرف فطرت اور مشاہدات قدرت کی تصویر کشی ملتی ہے تو دوسری طرف عشق، تصوف، مذہبی رواداری، اخلاق کی تعلیم اور مقاصد زندگی جیسے موضوعات کی رنگارنگی نظر آتی ہے۔اس مجموعے میں اقبال کا میلانِ طبع وطن پرستی کی طرف بھی ہے اور وہ اسلامی شاعر کا روپ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ کہیں اقبال بچوں اور نوجوانوں کے لیے اصلاحی، پیامی اور انقلابی نظمیں لکھتے ہیں تو کہیں معاصر حالات وسیاست کا ذکر کرتے ہیں۔ اقبال کی شاعری امت مسلمہ کی زبوں حالی کا نوحہ بھی ہے اور اس کے لیے حرکت وعمل کا ذریعہ بھی ہے۔ اقبال کی شاعری مایوسی کے اندھیرے میں امید کی کرن ہے۔ اس مجموعے میں قومی وملی نظمیں بھی ہیں اور رومانوی خیالات پر مشتمل نظمیں بھی موجود ہیں۔ "بانگِ درا" کی شاعری اقبال کے ارتقاپذیر شعری میلان اور فکری تنوع کی بدولت بہت جلد مشہور ہوگئی۔ ابتدا میں اقبال کی شاعری میں وطن کی محبت اور اتحاد کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ اس دور میں "ہمالہ"، "صدائے درد"، "آفتاب صبح"، "تصویرِ درد"، "ترانہ ہندی"، "ہندوستانی بچوں کا گیت" اور "نیا شوالہ" جیسی نظمیں ایسے ہی جذبات وخیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ یورپ جانے سے قبل اقبال کا شعری میلان اور فکر مختلف ہے۔ ان کی اس دور کی نظموں میں مغربی شعرا کے اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے مغربی شاعری سے خیالات اخذ کرکے انھیں اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اقبال نے سب سے زیادہ اثرات حالی کے قبول کیے۔ اس ضمن میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"حالیؔ کا اقبال پر جتنا گہرا اثر ہوا ہے، اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اقبال نے جب بھی حالیؔ کا نام لیا ہے نہایت عقیدت واحترام سے لیا ہے۔

جب حالیؔ کی برسی منائی گئی تو اقبال نے نہات دل آویز شعر کہے ہیں۔ علاوہ ازیں حالیؔ کی مسدس کا اثر اقبال کے دل پر اتنا گہرا تھا کہ ان کی دو مقبول نظمیں یعنی "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" مسدس ہی کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ ان دونوں کا موضوع بھی کم و بیش وہی ہے جو "مسدس حالی" کا ہے۔"(2)

مغربی شعرا کے اثرات قبول کرتے ہوئے اقبال نے جو نظمیں لکھیں ان میں مناظر فطرت اور حسن کائنات کی دلکشی اور رنگارنگی نمایاں ہے۔ اس ضمن میں "ہمالہ"، "گل رنگیں"، "ابرِ کہسار"، آفتاب صبح"، "ماہِ نو"، "پیام صبح" "چاند"، "اخترِ صبح"، اور "چاند اور تارے" جیسی نظمیں اہم ہیں۔ اس دور میں اقبال نے بچوں کے لیے بھی کوئی دس نظمیں لکھیں۔ اس حوالے سے "ایک مکڑا اور مکھی"، "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک گائے اور بکری"، "بچے کی دعا"، "ہمدردی"، "ماں کا خواب" اور "پرندے کی فریاد" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اقبال کی ابتدائی شاعری میں کچھ فلسفیانہ خیالات بھی ملتے ہیں۔ "گل رنگیں"، "دل"، "جگنو" اور "بچہ اور شمع" جیسی نظموں میں اقبال ایک حکیم اور فلسفی کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ "بانگِ درا" میں انسانی زندگی اور کائنات کے رازوں پر مبنی نظمیں بھی شامل ہیں۔ اقبال نے متعدد نظموں میں انسان اور کائنات کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ مثال کے طور پر "انسان اور بزمِ قدرت"، "عشق اور موت"، "ابر" اور "پھول" پیش کی جاسکتی ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ مناظرِ فطرت کے خزانے اقبال کی روح میں اتر گئے ہیں۔ وہ مظاہرِ فطرت کی تصویر کشی کئی ایک نظموں میں کرتے ہیں۔ فطرت کا حسن اقبال کی نظر میں کھب گیا ہے اس لیے انھوں نے بے ساختہ فطرت کی تصویر کشی کی ہے۔ اقبال فطرت کے بہت مداح ہیں، وہ فطرت کی تحسین کے اتنے قائل ہیں کہ انھیں فطرت کے ہر منظر میں حسنِ ازل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ان کی نظموں میں منظر نگاری کا ایک نیا پہلو روشن ہو جاتا ہے۔ ان کی منظر نگاری بسا اوقات انسانی جذبات واحساسات اور اعمال وافعال کا پس منظر بھی بن جاتی ہے۔ اس امتزاج کی ایک خوبصورت مثال ان کی نظم "ہمالہ" ہے۔ اقبال کے ہاں اس نظم کی تخلیق کا محرک وہ خواہش ہے جو وہ روز بروز پیچیدہ تر ہوتی ہوئی اس دنیا کی حدود سے باہر نکلنے کے لیے کرتے ہیں۔ وہ حسرت اور تمنا کر کے اس زمانے کو یاد کرتے ہیں جب انسان کی قدیم نسلیں ہمالیہ کے دامن میں آباد تھیں اور سادہ زندگی

گزار رہی تھیں۔ دراصل اقبال سکونِ قلب کی حسرت اور تمنا کرتے ہیں جب انھیں دنیا میں سکون میسر نہیں ہوتا تو وہ پرانے وقتوں کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اقبال نے اس نظم میں اس پہاڑی ندی کا ذکر کیا ہے جو سارا سال بہتی رہتی ہے کبھی خشک نہیں ہوتی کیوں کہ ہمالہ پر برف سارا سال رہتی ہے۔ ندیاں اور دریا فطرت کے قدیم مظاہر ہیں۔ "ہمالہ" کا یہ بند ملاحظہ کیجیے:

لیلی شب کھولتی ہے آ کے جب زلفِ رسا
دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کہسار پر
خوش نما لگتا ہے یہ غازہ تیرے رخسار پر(3)

نظم" ہمالہ" میں ایک طرف نشاط و سرور کا احساس ہوتا ہے تو دوسری طرف "درختوں پر تفکر کا سماں" ایسے الفاظ ہیں جو ہمالہ کے دامن میں آباد قدیم انسان کی تہذیب اور مخصوص کیفیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اقبال نے درختوں پر تفکر کا سماں سے مراد نظام کائنات پر غور کرنا لیا ہے۔ شام کو درختوں کے جھنڈ سر جھکائے یوں چپ چاپ دکھائی دیتے ہیں کہ جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ اس نظم میں اقبال نے قصداً سکوت کے بجائے شور کے معنی رکھنے والے الفاظ کا استعمال کیا ہے جیسا کہ چہچہے، شورش، پانی کا اٹھ اٹھ کے دیکھنا حرکت ، قوت اور نمو کی علامت ہے۔ اقبال نے فطرت کے پس منظر کے تضاد سے اپنی تمنا کے نقوش اجاگر کیے ہیں۔ اقبال مناظرِ فطرت اور مظاہرِ فطرت کی تمام صورتوں سے آگاہ تھے۔ اقبال نے مناظر قدرت کی محض تصویر کشی نہیں کی بلکہ انھوں نے یہ تصویر اس طرح سے کھینچی ہے کہ اس سے عوام الناس کے جذبات متاثر ہوئے ہیں ۔لوگوں میں رنج و غم ،انبساط و مسرت اور ولولہ و مستی کی کیفیات پیدا ہوئی ہیں۔ اقبال نے "ہمالہ" کے بعد پے در پے نظمیں لکھنا شروع کیں۔ اس ضمن میں مسدس کی ہیئت میں لکھی نظم "ابر کہسار" ملاحظہ کیجیے:

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

کبھی صحرا کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر وویرانہ مرا ، بحر مرا ، بَن میرا
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزہء کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو(4)

اقبال نے اولین نظمیں انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پڑھیں جن پر انھیں بے حد داد ملی۔ وہ ایک خوش گو اور خوش فکر شاعر کے طور پر پہچانے جانے لگے۔ اقبال کا شعری میلان ابتدا میں مغربی ادب کی طرف بھی رہا۔ اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں انھوں نے انگریزی نظموں کے تراجم بھی کیے۔ اس ضمن میں "پیامِ صبح"، عشق اور موت" اور "رخصت اے بزم جہاں" جیسی نظمیں اہم ہیں۔ اقبال نے بچوں کے لیے جو نظمیں لکھی ہیں وہ بھی مغربی شعرا کی شاعری سے ماخوذ ہیں۔ اقبال کی اولین نظموں میں بھی ان کے بنیادی فلسفہ، فلسفہ خودی کی خام شکلیں موجود ہیں۔ فلسفہ خودی میں انسان کی فضلیت، استعداد، صلاحیتوں پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس میں عشق اور عقل کی معرکہ آرائی بھی ہے اس فلسفے میں عشق کی برتری ظاہر ہوتی ہے۔ فلسفہ خودی کا ایک اہم عنصر حیات جاوداں اور بقائے دوام بھی ہے۔ اقبال کا فلسفہ خودی میں ایک عنصر جہد مسلسل کا بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح "بانگ درا" کی شاعری میں اقبال کی شاعری کے بیشتر میلانات ورجحانات ملتے ہیں۔ "بانگِ درا" کی نظموں کی مقبولیت کے بارے میں مولانا عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

> "اپنی شاعری کے پہلے دور میں وطنی نظموں کی بنا پر انہوں نے مسلمانوں کی طرح ہندوؤں میں بھی حسنِ قبول حاصل کر لیا تھا، اور ان کا ترانہء ہندی بچے بچے کی زبان پر تھا۔ ایک تعلیم یافتہ ہندو مضمون نگار لکھتا ہے کہ "اقبال کو قدرت نے تغزل کی دولت عطا کرنے میں بہت فیاضی سے کام لیا ہے چنانچہ "ہمالیہ" کو محض متغزلانہ اندازِ بیان کی وجہ سے یہ قبولِ عام حاصل ہوا، اور ان کی بعض دوسری نظموں خصوصاً ہندوستان کی طرح(جسے ہندوستان کے قومی گیت کی حیثیت حاصل ہے)یہ نظم ہندوستان کے طول وعرض میں بگولے کی تیزی اور تندی کے ساتھ پھیل گئی۔۔۔سارے ملک نے اقبالؔ کو قومی بیداری کا پیمبر تسلیم کر لیا۔

میرے نزدیک وہ اپنے ابتدائی کلام میں جس بامِ رفعت پر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ ان کی نظیر زمانہ مابعد فارسی نظموں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔"(5)

اقبال کی اولین نظموں میں فطرت نگاری زیادہ ہے۔ انھوں نے فطرت نگاری کے پس منظر میں قومی شاعری کی ہے۔ اس عرصے میں اقبال نے قومی جذبے سے نظمیں کہی ہیں۔ اس دور کی نظموں میں قومی درد اور فطرت نگاری بام عروج پر ہے۔ یہ نظمیں نسبتاً عام فہم، آسان انداز کی ہیں ان میں اخلاقی اور سبق آموز باتیں کی گئی ہیں۔ اقبال کی نظموں میں کیف واضطراب، حکیمانہ پیغام، فلسفیانہ خیالات ایک نئے انداز میں ملتے ہیں۔ یہاں شاعر فطرت کے غیر معمولی حسن سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ 1901ء سے 1905ء تک اقبال کی قومی شاعری کا دور ہے اور پھر 1905ء سے 1908ء تک اقبال ایک فطری شاعر کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ اقبال کی قومی اور فطری شاعری کے دور کے ضمن میں ڈاکٹر قاضی عبدالحمید رقم طراز ہیں:

"اقبال کی شاعری کو عموماً تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور 1901ء سے 1905ء تک کا ہے جو اقبال کی قومی شاعری کا دور ہے۔ اس عرصے میں شاعر نے قومی درد سے لبریز خوب خوب نظمیں کہیں اور آزادی ہند کی تحریک سے بہت متاثر نظر آتا ہے۔ چھوٹی نظموں میں کوہ ہمالیہ، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، نیاشوالہ، ترانہء ہندی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بڑی نظموں میں "تصویر درد" کا ایک ایک شعر وطن کے عشق میں ڈوبا ہوا ہے۔ شاعر نے ہندوستان کی موجودہ زبوں حالی پر خوب جی کھول کر نوحہ خوانی کی ہے اور اہلِ وطن کو آپس میں محبت کرنے اور غلامی سے آزاد ہونے کی تلقین کی ہے۔۔۔۔۔1905ء سے 1908ء تک اقبال کی شاعری کا عبوری دور ہے۔ اس دور میں اقبال کی فطری شاعری کا رنگ اور بھی زیادہ نکھر آیا ہے۔ یورپ کے حسین مناظر نے شاعر کے دل پر بہت اثر کیا۔ اور اکثر نظمیں ان ہی تاثرات کا نتیجہ ہیں۔ اسی بنا پر ہم اس دور کی شاعری کو ہم اقبال کی فطری شاعری کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔"(6)

اقبال نے جب یورپ میں قیام کیا تو ان کے شعری میلان، سوچ اور فکر میں کافی تبدیلی اور پختگی آ گئی۔ اس دور میں ایک نیا اقبال منکشف ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کا آہنگ منفرد، فکر کا زاویہ بدلا ہوا اور فکر و فلسفے میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اقبال کے میلان اور فکر کے ارتقائی مدارج کا اندازہ "بانگِ درا" ہی سے ہوتا ہے۔ یہ مجموعہ اقبال کی شخصیت اور فکری و فنی ارتقا کو مکمل سمجھنے میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال نے قیام یورپ کے دوران مغربی تہذیب و سیاست کا بغور جائزہ لیا تو مغربی قومیت و وطنیت کے نظریات کھل کر ان کے سامنے آ گئے۔ اس بات نے ان کے مزاج میں انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ علاقائیت، رنگ و نسل اور جغرافیائی امتیازات سے نکل کر انسانی مساوات کے آفاقی تصور کے قائل ہو گئے۔ اقبال کی اس دور کی نظموں میں وطن پرستی کم اور ملتِ اسلامیہ کا آفاقی تصور زیادہ ملتا ہے۔ اس ضمن میں نظم "پیام عشق" ملاحظہ کیجیے:

وجود افراد کا مجازی ہے، ہستیِ قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسم مجاز ہو جا
یہ ہند کے فرقہ ساز اقبالؔ آزری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبارِ راہِ حجاز ہو جا(7)

اقبال کی اس دور کی نظم " طلبہ ء علی گڑھ کے نام" اس حوالے سے بہت اہم ہے۔ وہ اس نظم کے ذریعے سے مسلم نوجوانوں کو جذب حرم اور فروغ انجمن حجاز کا پیغام دیتے ہیں۔ اقبال نے ہندی قومیت، علاقائیت اور وطن پرستی کو خیر باد کہہ دیا اور ملت اسلامیہ اور اسلامی تعلیمات کا ذکر شروع کر دیا۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اقبال نے اپنی شاعری کو اسلام کی اشاعت اور ملت اسلامیہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اقبال کے یورپ کے سفر اور فکری تنوع کے بارے میں سید عابد علی عابد رقم طراز ہیں:

"1905ء سے 1908ء تک جو نظمیں اور غزلیں کہی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال وطنیت کے مسئلے پر اسلامی نقطہ ء نظر سے غور کرنے کی طرف مائل ہو رہے تھے اور انہوں نے سنجیدگی سے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ شاید ہندوستان میں جو دو بڑی قومیں آباد ہیں، ان کا مذہبی اور تمدنی اختلاف آخر ایسے افتراق پر منتج ہو گا جس میں وطنیت کے اسلامی

تصور کو مرکزیت حاصل ہو گی۔" علی گڑھ کالج کے طلبہ کے نام" اقبال
نے جو پیغام دیا ہے اس میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خطوط پر سوچ رہے
تھے کہ مسلمانوں کا ربطِ باہمی اس مذہبی اشتراک پر مبنی ہے جو روم و حبش
اور چین و بربر میں کوئی امتیاز نہیں۔"(8)

مناظر فطرت کے پس منظر میں اخلاقی، مذہبی اور ملی حقائق کو اقبال کے پیش نظر لاتے ہیں، وہ افراد اور اقوام کی باطنی تربیت کرتے ہیں۔ وطن ان کے ہاں ایک سیاسی تصور کے ضمن میں آتا ہے۔ ان کے نزدیک ملت اسلامیہ ایک وحدتِ اجتماعی ہے۔ اقبال "انجمن حجاز" سے مراد ملتِ اسلامیہ اور "جذبِ حرم" سے مراد حرم یا مکہ معظمہ کو لیتے ہیں جو پوری دنیا کے مسلمانوں کی وحدت کا مرکز ہے۔ نظم "دنیائے اسلام" ملاحظہ کیجیے:

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر(9)

اقبال یورپ میں رہ کر یورپی تہذیب کی تباہی کے عکاسی کرتے ہیں۔ اقبال نے یورپ میں رہ کر جو شاعری کی اس میں مسلمانوں کی غلامی کے خاتمے، امت مسلمہ کی آزادی، بیداری اور سربلندی کی نوید ملتی ہے۔ اقبال نے اب نوجوانوں کی رہنمائی، اسلام کی خدمت اور ملت کی سربلندی کے لیے مصمم ارادہ کر لیا۔ نظم "عبد القادر کے نام" ملاحظہ کیجیے:

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کردیں
ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کردیں

اس چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر
قطرۂ شبنم بے مایہ کو دریا کر دیں
دیکھ !یثرب میں ہوا ناقہ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نَو سے شناسا کر دیں(10)

اقبال یورپ کی ترقی یافتہ زندگی سے متاثر تو ہوئے لیکن ساتھ ہی وہ یورپی تہذیب سے بے زاری بھی دکھانے لگے اس کی وجہ شاید تھی کہ یورپ کی ترقی نے اقبال کو متاثر تو کیا لیکن انھیں مرغوب نہ کر سکی۔ وہ برائی اور بے حیائی کے قائل نہ تھے اور اسلامی اصولوں اور قرآنی احکام پر عمل کرنے کے حق میں تھے۔ اس لیے مغربی تہذیب کا کھوکھلا پن انھیں پسند نہ آیا۔ انھیں بہت جلد مغربی تہذیب کے کھوکھلے پن اور ناپائداری کا ادراک ہو گیا۔ آخر کار اقبال کا شعری میلان اسلامی نظریہ کی جانب راغب ہو گیا۔ اسی تغیرِ فکر نے ان کے اندر اسلام کی خدمت کرنے کا جذبہ بیدار کر دیا۔ اس جذبے کی عکاسی ان کی نظم "شیخ عبد القادر کے نام" میں ہوئی ہے۔ اقبال یورپی تہذیب کا قریب سے مشاہدہ کرنے بعد اس کی ملمع کاری اور کھوکھلے پن سے بے زار ہو کر اسلامی اصولوں پر سختی کاربند ہونے کے لیے ملت کو پیغام دینے لگے۔ ان کے اسلامی اور مشرقی افکار وخیلات واضح ہو گئے اور انھیں ملک کی نجات مشرقی افکار و نظریات میں آنے لگی۔

اقبال کے قیام یورپ کے دوران ان کا زیادہ وقت پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے تحقیقی مصروفیات اور مغربی افکار کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ اس دوران انھیں شاعری کے لیے بہت کم وقت ملا۔ ایک مرحلے پر تو انھوں نے شاعری کو ترک کرنے کا ارادہ بھی کر لیا جو شیخ عبد القادر اور پروفیسر آرنلڈ نے ناکام بنایا۔ اس دوران اقبال نے جو نظمیں لکھیں وہ پیامبری کا درجہ رکھتی ہیں۔ یورپ کی ترقی کے مشاہدات سے ان پر یہ رز منکشف ہوا کہ مسلسل جہد وجہد، مسلسل حرکت اور مسلسل تگودو کرنے سے ہی انسان آگے بڑھ سکتا ہے۔ اور یوں اقبال ایک پیامبر کی حیثیت اختیار کر گئے اور کہنے لگے:

اوروں کا ہے پیام اور ، میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے
طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم

یہ بھی سنو کہ نالہء طائرِ بام اور ہے
جذبِ حرم سے ہے فروغ انجمنِ حجاز کا
اس کا مقام اور ہے ، اس کا نظام اور ہے(11)

یورپ جانے کے بعد اقبال کے شعری میلان اور فکر میں تبدیلی ،ارتقا اور تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ "ترانہء ہندی" کہنے والا شاعر اب "ترانہ ملی" کہنے لگا ہے۔یورپ جانے سے پہلے اقبال ہندی ہیں ، وطن ہے ہندستاں ہمارا کے گیت گاتے تھے جب کے یورپ جانے کے بعد مسلم ہیں، وطن ہے سارا جہاں ہمارا، چین وعرب ہمارا جیسے گیت گانے لگے۔ اقبال کی فکر میں اب مکمل تنوع آ چکا ہے۔ ان کی شاعری میں موضوعاتی وسعت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال اب اپنے منشور پر عمل پیرا ہو گئے ہیں۔یورپ سے واپسی پر انھوں نے بادل، چاند، دریا، ستارہ اور ابر جیسے موضوعات چھوڑ کر کائنات، حیات، خودی، بے خودی، ذات باری تعالیٰ،یقین، عقل، عمل ،جہد مسلسل اور عشق کے موضوعات اپنا لیے ہیں۔اقبال اب پورے جوش وجذبے سے قوم کے افراد کو یہ پیغام دیتے ہیں۔ حضور ﷺ سے ان کی عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوا ہے۔ نظم "صدیق"، "بلال" اور "جنگِ یرموک کا ایک واقعہ" میں عشق رسول ﷺ کی بے شمار جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اقبال نے انگریز سامراج کی مسلم دشمنی کو بھی موضوع بنا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس دور کی اہم نظموں میں "شکوہ"، "شمع و شاعر"، "مسلم"، "جوابِ شکوہ"، "نویدِ صبح"،"شعاعِ آفتاب"،"مسلمان اور تعلیمِ جدید"،"مذہب"، "خضرِ راہ" اور" طلوعِ اسلام "شامل ہے۔یہ نظمیں شاعر کے ولولہ انگیز جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

یورپ سے واپسی کے بعد اقبال کی نظموں میں اسلامی رنگ بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ نظموں کے عنوانات سے پتا چلتا ہے کہ اقبال کی شاعری صرف اسلامی دنیا کے لیے ہے۔شاعری میں استعمال ہونے والی تلمیحات کا تعلق بھی اسلام اور تاریخ اسلام سے ہے۔ اس ضمن میں شاخ ہاشمی، شاخ خلیل، روح الامین وادی فاراں ،وادی ایمن، شب معراج جیسی تلمیحات اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ تلمیحات اسلامی پیغام اور فکر کی ترویج کرتی ہیں۔ "بانگ درا" کے آخری حصے میں جو قطعات ہیں ان میں ظریفانہ انداز میں شاعر نے افراد ملت کی کوتاہیوں پر طنز کیا ہے۔ "بانگ درا" کے تیسرے حصے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے کے

مقابلے میں اب زبان کے ساتھ شاعر کے فکر و فلسفہ میں انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ شاعر وطنیت کے محدود تصور سے نکل کر عالم اسلام کا پیامبر بن گیا ہے۔

اقبال کے شعری میلان اور متنوع فکر و فلسفہ کی بدولت ان کی زندگی ہی میں مشاہیر اور اہل علم نے ان کی شخصیت اور شاعری پر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی شاعری میں مسلمانوں کے لیے تڑپ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد ملتی ہے۔ قیام یورپ کے دوران نے جہاں یورپی اقوام کی ترقی کے اسباب کا بغور مشاہدہ کیا وہاں ان اسباب کا جائزہ بھی لیا جس کی وجہ سے مشرقی ممالک خاص طور سے اسلامی ممالک زوال پذیر ہوئے۔ اقبال کے سامنے مغربی اقوام کے وہ حربے بھی بے نقاب ہو گئے جو انھوں نے مشرقی اقوام کو غلام بنانے کے لیے برتے تھے۔ وہ ان حربوں کو ملت اسلامیہ کے لیے خطرناک تصور کرتے تھے اسی لیے انھوں نے کہا:

یہی مقصودِ فطرت ہے ، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری ، محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی نہ افغانی(12)

اس دور میں اقبال وطنیت اور قومیت کے تصور سے نکل کر ملت اسلامیہ کے آواز بن گئے۔ اقبال وطن پرست نہیں رہے محب وطن ہو گئے کیونکہ وطن پرستی انسان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور وہ آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں۔ وہ اسلام کو جغرافیائی حدود میں سمونا نہیں چاہتے تھے۔ اقبال "بانگِ درا" میں وطن اور ملت کے بارے میں واضح نکتہ نظر اختیار کر چکے تھے۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں "بلاد اسلامیہ"، " فلسفہ غم"، "شکوہ"، " خطاب بہ جوانانِ اسلام"، "شمع وشاعر"، "جواب شکوہ"، "والدہ مرحومہ کی یاد میں"، "مذہب"، "شب معراج"، "خضرِ راہ" اور " طلوعِ اسلام" اہمیت کی حامل ہیں۔ 1909ء سے 1924ء تک اقبال نے جو نظمیں لکھیں ان کو "بانگِ درا" کے حصہ سوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اقبال کے افکار وخیالات بے حد وسیع اور آفاقی ہو گئے ہیں اس بارے میں تقدیس زہرہ رقم طراز ہیں:

"1908ء کے بعد اقبال کے خیالات میں بہت وسعت، تخیلات میں بلندی جذبات میں اعتدال اور احساسات میں ذکاوت پیدا ہو گئی اس لیے ان

نظموں میں اقبال کا زاویہ نگاہ آفاقی ہو گیا ہے۔ان کے لہجے میں سوز و گداز در آیا ہے اور ایک قوت ان کا کلام سے مترشح ہے۔زبان میں ہندی کی جگہ فارسیت کا غلبہ ہے ،جنگ عظیم اول اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں پر ٹوٹنے والی قیامتوں اور اسلام دشمن عناصر کی تباہ کاریوں سے متعلق اقبال نے ان واقعات کو بیان کیا ہے۔"(13)

"بانگِ درا" کے حصہ سوم کی نظمیں سوز اور تاثر لیے ہوئے ہیں۔اقبال کے شعری میلان میں تبدیلی اور فکر میں وسعت اور رفعت پیدا ہو گئی ہے۔اقبال نے شاعری میں پیغام کی ترسیل اور تبلیغ کے لیے فارسی شعرا کے کلام کی تضمین بھی کی ہے۔ اقبال کی نظمیں فکری تنوع کی بنا پر اہل اردو اس کے معترف اور مداح ہیں۔ "بانگِ درا" کی اشاعت سے قبل ہی اقبال کی نظمیں مختلف جلسوں اور مجلسوں میں پڑھی جا چکی تھیں اور مختلف رسائل میں چھپ چکی تھیں۔اقبال کے اولین شعری مجموعے کی شاعری ہندوستان کے عوام اور شعرائے اردو کے لیے "بانگِ درا" ہی ثابت ہوئی۔

"بانگِ درا" کے تینوں حصوں کی شاعری میں اقبال کے شعری میلان اور فکر میں فرق مکمل واضح ہے۔ اس مجموعے کے تینوں حصوں میں پہلے نظمیں اور آخر پر غزلیں ترتیب دی گئی ہیں۔کتاب کے آخر میں ظریفانہ قطعات شامل ہیں۔ حصہ اول میں 49 نظمیں اور 13 غزلیں ہیں، حصہ دوم میں 24 نظمیں اور 7 غزلیں اور حصہ سوم میں 70 نظمیں اور آٹھ غزلیں شامل ہیں۔ "بانگ درا" کی پہلے حصے کی نظموں میں اقبال کا شعری مزاج رومانوی ہے۔ وہ وطن سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔اقبال نے اولین نظموں میں وطن پرستی کے راگ الاپے ہیں۔علاوہ ازیں انھوں نے فطرت کے مناظر کو بھی نظموں کی مالا میں پرویا ہے۔انھوں نے معروف مغربی شعرا کے خیالات کو اردو کا جامہ پہنا کر بھی نظموں میں پیش کیا ہے۔دوسرے حصے کی نظموں میں بھی پہلے اقبال کا میلان رومانوی ہے لیکن یکدم ان کی سوچ میں ایک انقلاب جنم لے لیتا ہے اور وہ دین اسلام اور مسلم تاریخ کے پیغام کی ترویج واشاعت کرنے لگتے ہیں۔اس بارے میں پروفیسر ڈاکٹر انوار الحق لکھتے ہیں:

"اقبال نے اسی دور میں مغربی فلسفہ وتہذیب اور تعلیم وتمدن کو نہایت قریب سے دیکھا،پڑھا،پرکھا،اس کا تجزیہ کیا اور ایک مدلل انداز میں نظریہ وطنیت وقومیت سودی نظام اور مغربی الحاد وبے دینی پر خوب طنز

کے تیر برسائے مزید برآں انہوں نے ایک وسیع تناظر میں "فلسفہ مشرق ومغرب" کا گہرا مطالعہ کرنے کے علاوہ "مذاہبِ عالم" کا مطالعہ بھی عرق ریزی سے کیا اور تمام عالم انسانی کو عصر حاضر کے تقاضوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے "دنیا و آخرت" کے فلاح دارین کے لیے دین اسلام کی طرف رجوع کرنے کی بھرپور دعوت دی۔"(14)

اقبال نے "بانگ درا" کے تیسرے حصے کی نظموں میں پیغام کی ترسیل و تحکیم کی ہے۔ اس کے آخر میں انھوں نے اکبر کے تتبع میں مختلف موضوعات پر مبنی 29 قطعات لکھے ہیں۔ مظاہر فطرت کی تصویر کشی کرتی ہوئی نظموں میں "ہمالہ"، "گل رنگیں"، "ابرِ کوہسار"، "شمع"۔ "آفتاب صبح"، "چاند"، "جگنو"، "اور" بزم انجم" اہم ہیں۔ وطن پرستی اور قومی جذبات کو ابھارنے اور قوم کو عمل کی دعوت دیتی ہوئی نظموں میں "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت"، "نیا شوالہ"، ترانہ ملی"، "وطنیت" اور "ہلالِ عید" قابل ذکر ہیں۔ اقبال کی اخلاقی اور سبق آموز نظموں میں "گل پژمردہ"، "زہد و رندی"، "طفل شیر خوار"، "گورستانِ شاہی" اور "شبنم اور ستارے" شامل ہیں۔ اقبال نے اپنی نظموں "غلام قادر رہیلہ"، "صدیق"، "بلال"، "حضور رسالت مآب میں"، "فاطمہ بنت عبداللہ"، "محاصرہ" اور "بلاد اسلامیہ" وغیرہ مشاہیر اور تاریخی واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ فلسفیانہ موضوع اور حکیمانہ لہجے کی نظموں میں "شمع"، "موج دریا"، "سرگزشت آدم"، "جگنو"، "بچہ اور شمع"، "محبت"، "نوائے غم"، "فلسفہ غم"، بزمِ انجم" اور "انسان" شامل ہیں۔ اقبال نے چند ایک دعائیہ نظمیں بھی لکھی ہیں جن میں انھوں نے دعائیں کی ہیں جیسا کہ "ایک آرزو"، "التجائے مسافر" اور "دعا" اہمیت کی حامل ہیں۔ اقبال نے کچھ نظمیں فارسی شعرا کی تضمین میں بھی لکھی ہیں۔ ان میں "تضمین بر شعر انیسی شاملو"، "عرفی"، "ابو طالب کلیم"، "فیضی"، "رضی دانش"، ملک قمی" اور "میرزا بیدل" شامل ہیں۔ اقبال نے اپنی کچھ نظموں میں معروف شعرا کو خراج تحسین بھی پیش کیا ہے ان میں "داغ"، "شبلی"، "حالی"، "غالب"، "عرفی" اور "شیکسپیر" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چند ایک نظموں میں اقبال نے ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں کی عظمت کا اعتراف بھی کیا ہے ان میں "گوتم بدھ، رام چندر، نانک اور رام تیر تھ کا نام اہم ہے۔ اقبال نے اپنے قطعات میں سیاسی و معاشرتی مسائل کو ظرافت اور طنزیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اقبال کے قطعات ان کی ظریفانہ شاعری کی عمدہ مثال ہیں۔

اقبال کے شعری مجموعہ "بانگِ درا" کی شاعری کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ "بانگِ درا" کی شاعری کی مختلف حصوں میں تقسیم دراصل اقبال کے بدلتے اور ارتقاپذیر شعری میلان اور فکری تنوع کی عکاس ہے۔ اس مجموعہ کی نظموں کے عنوانات اور موضوعات اقبال کے فکری تنوع کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً، فطرت سے لگاؤ، حب الوطنی کا غلبہ، اخلاقی، مذہبی، معاشی، اقتصادی، مذہبی اور ملی احساس کی نظمیں اقبال کے متنوع شعری میلان اور فکر کا لبادہ اوڑھے دکھائی دیتی ہیں۔ "بانگِ درا" کی شاعری کا ارتقائی سفر اقبال کی شعری اور فکری بلندیوں کی طرف غیر محسوس طریقے سے بڑھتا نظر آتا ہے۔ "بانگ درا" کی نظموں نے ملت اسلامیہ کو ایک تازہ ولولہ عطا کیا ہے، ملی شعور کو اجاگر کرتی ہوئی نظمیں پیغام سے خوب خوب لبریز ہیں۔ "بانگِ درا" کی نظموں کا فلسفہ دراصل زندگی کا فلسفہ ہے۔ "بانگِ درا" کی نظموں میں اقبال بیک وقت فطرت نگار، وطن پرست، قومی رہنما، مصلحِ ملت، طنز نگار اور حکیم الامت اور فکر و فلسفہ آمیز ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2011ء، ص:22،21

2۔ ایضاً، ص:29،28

3۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، 1999ء، ص:23

4۔ ایضاً، ص:26

5۔ عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبالِ کامل، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، 2008ء ص:225،224

6۔ قاضی عبدالحمید، ڈاکٹر، اقبال کی شخصیت اور اس کا پیغام، مضمون، مشمولہ، رسالہ اردو، اقبال نمبر، بابت اکتوبر 1938ء، طبع جدید، انجمن ترقی اردو پاکستان، مرتبہ، بابائے اردو مولوی عبدالحق، اکتوبر 1938ء، ص:194،193،192

7۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، 1999ء، ص:109

8۔ عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 2011ء، ص:111

9۔ علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، 1999ء، ص:221
10۔ ایضاً، ص:110
11۔ ایضاً، ص:96
12۔ ایضاً، ص:225
13۔ تقدیس زہرہ، مضمون بانگِ درا، مشمولہ دائرہ معارف اقبال، جلد اول، ناشر، شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، جنوری 2006ء، ص:469
14۔ انوارالحق، پروفیسر، ڈاکٹر، علامہ اقبال کی اردو نظموں کے کرداروں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، لاہور: کتابی دنیا، 2020ء، ص:107